10

وقت ضائع کرنے سے بچو
اور اسے زیادہ سے زیادہ قیمتی کاموں میں صَرف کرو

(فرمودہ 19 مارچ 1948ء بمقام کراچی)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہو گا مَیں آج میل (Mail) میں واپس جا رہا ہوں۔ یہاں قیام کے لیے مجھے اِتنا تھوڑا وقت ملا ہے کہ وہ بہت سے مقاصد جن کو مدنظر رکھ کر مَیں یہاں آیا تھا انہیں مَیں پورے طور پر سرانجام نہیں دے سکا۔ اِس میں بڑی دقّت مکان کی ہے۔ اب تک یہاں رہنے کے لیے ہمیں کوئی مکان میسر نہیں آ سکا۔ اگر دوست اپنے اپنے رنگ میں امیر جماعت کے مشورہ سے کوشش کرتے رہیں اور کسی مکان کا انتظام ہو جائے تو ارادہ ہے کہ موقع ملنے پر مَیں پھر کراچی آؤں۔ کیونکہ بوجہ پاکستان کا مرکز ہونے کے بہت سے اہم اور ضروری مسائل ایسے ہیں جو کراچی میں ہی حل کیے جا سکتے ہیں لاہور یا کسی اَور شہر میں حل نہیں کیے جا سکتے۔

اِس کے بعد مَیں جماعت کے دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ایک زمانہ طفولیت کا ہوتا ہے جس میں بہت سی باتیں معاف کر دینے کے قابل ہوتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَ لَوْ کَانَ نَبِیًّا 1۔ بچہ بچہ ہی ہے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ نبی تو وہ تب بنے گا جب بَلَغَ اَشُدَّہٗ 2 کے مطابق وہ ایسی عمر کو پہنچے گا جب اُس کے قوٰی مضبوط ہو جائیں گے، اُس کی عقل کامل ہو چکی ہو گی اور وہ نبوت کی ذمہ داریوں کو پورے طور پر سرانجام دینے کے قابل ہو جائے گا تبھی اُس پر خدا کا کلام نازل ہو گا۔ لیکن اِس بلوغت سے پہلے جتنی حالتیں انسان پر گزرتی ہیں وہ اس پر بھی گزریں گی۔ وہ کھیلے گا بھی، وہ کسی زمانہ میں ننگا بھی رہے گا، وہ ماں کا دودھ بھی پیئے گا، وہ چھوٹی عمر میں غذا بھی نرم نرم استعمال کرے گا، پھر وہ چلنا پھرنا سیکھے گا۔ اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے پڑھائی مقدر کی ہے تو بہرحال اسے پڑھنا بھی پڑے گا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء دنیا کو یہ بتانا ہو (جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا) کہ ہم اگر چاہیں تو ایک اُمّی کو بھی اپنے پاس سے علم دے سکتے ہیں اور علم بھی ایسا کہ دنیا کے بڑے بڑے عالم اُس کے سامنے اپنی گردنیں جھکانے پر مجبور ہوں تو یہ اَور بات ہے۔ بہرحال طفولیت کا زمانہ بہت سے امور میں معافی چاہتا ہے۔ گو وہ تربیت کا زمانہ ضرور ہوتا ہے ہم اس زمانہ میں بچے کو تربیت سے آزاد نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ جو بچوں کی غلطی پر یہ کہا کرتے ہیں کہ بچہ ہے جانے دو وہ اول درجہ کے احمق ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ بچپن کا زمانہ ہی سیکھنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ اگر اِس عمر میں وہ نہیں سیکھے گا تو بڑی عمر میں اُس کے لیے سیکھنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ درحقیقت اگر ہم غور کریں تو بچپن کا زمانہ سب سے زیادہ سیکھنے کے لیے موزوں ہوتا ہے اور اِسی عمر میں اس کی تربیت اسلامی اصول پر کرنی چاہیے۔ پس گو بچہ بعض اعمال کے لحاظ سے معذور سمجھا جاتا ہے مگر سیکھنے کا عمدہ زمانہ اُس کی وہی عمر ہے۔

جس طرح انسان پر بچپن کا زمانہ آتا ہے اِسی طرح قوموں پر بھی ایک بچپن کا زمانہ آتا ہے۔ جب خدا کسی جماعت کو دنیا میں قائم کرتا ہے تو کچھ عرصہ اسے سیکھنے کا موقع دیتا ہے مگر پھر اُس پر ایک دوسرا زمانہ آتا ہے جب وہ قوم بالغ ہو جاتی ہے اور اُس پر ویسی ہی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں جیسے بالغوں پر عائد ہوتی ہیں۔ تب بہت سی باتیں جو طفولیت میں معاف ہوتی ہیں اور غلطی ہونے پر چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے بلوغت کے زمانہ میں نہ وہ باتیں اُسے معاف ہوتی ہیں اور نہ غلطی واقع ہونے پر اُس سے چشم پوشی کا سلوک کیا جاتا ہے۔

ہماری جماعت پر بھی بلوغت کا زمانہ آ رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے فعل نے بتا دیا ہے کہ ہماری

جماعت اب اُن راستوں پرنہیں چل سکتی جن پر وہ پہلے چلا کرتی تھی۔ بلکہ اب اسے وہ راستہ اختیار کرنا پڑے گا جو قربانی اور ایثار کا راستہ ہے اور جس پر چلے بغیر آج تک کوئی قوم بھی کامیاب نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں احمدیوں کی آبادی کا زیادہ تر حصہ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ستّر فیصدی حصہ پنجاب میں تھا۔ اب چونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمان بھی ادھر آ چکے ہیں۔ اِس لیے اب اسّی فیصدی بلکہ اِس سے بھی زیادہ حصہ ہماری جماعت کے افراد کا پاکستان میں آ چکا ہے اور بوجہ آزاد گورنمنٹ کا ایک حصہ ہونے کے ان پر بھی ویسی ہی ذمہ داریاں عائد ہیں جیسی آزاد قوموں پر عائد ہوتی ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ آزاد قوموں کو جنگ بھی کرنی پڑتی ہے۔ یہ تو نہیں کہ جنگ کے اعلان پر وزیر جا کر لڑا کرتے ہیں یا سیکرٹری جا کر لڑا کرتے ہیں۔ بہرحال افراد ہی لڑا کرتے ہیں۔ اور اگر کسی ملک کے افراد اپنی ذمہ داری کو نہ سمجھیں تو جنگ میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہوتا ہے کہ افراد میں قومیت کا احساس ہو۔ اگر لڑنے والے افراد میں قومیت کا احساس نہیں ہوگا تو لازماً ان میں کمزوری پیدا ہوگی اور یہ کمزوری اُن کی کامیابی میں حائل ہو جائے گی۔ پس بوجہ اِس کے کہ اسّی بلکہ پچاسی فیصدی احمدی آزاد اسلامی حکومت میں آ گئے ہیں ان کا فرض ہے کہ اب وہ پورے طور پر اپنے اندر تغیر پیدا کریں تا کہ اگر ملک اور قوم کے لیے کوئی خطرہ درپیش ہو تو وہ اُس وقت قربانی اور ایثار کا نمونہ دکھا سکیں اور اس طرح ملک کی کامیابی کی صورت پیدا کر دیں۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکی دفاع کے لیے ہر فرد پر ذمہ داری ہوتی ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بعض بعض انسانوں اور جماعتوں کو لیڈر بننے کی توفیق عطا کی جاتی ہے۔ اگر لیڈر آگے آ جاتے ہیں تو ساری قوم اُن کے پیچھے چل پڑتی ہے۔ اور اگر لیڈر آگے نہیں آتے تو قوم میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ لیڈر بعض دفعہ افراد ہوتے ہیں اور بعض دفعہ قومیں ہوتی ہیں۔ وہ قومیں ایسی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں کہ لوگ ہر اہم موقع پر اُن کی طرف دیکھتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔ ہماری جماعت کی بھی خواہ لوگ کتنی مخالفت کریں اِسے ایسی پوزیشن ضرور حاصل ہو گئی ہے کہ لوگ ہماری جماعت کی طرف دیکھتے ہیں اور وہ اس جستجو میں رہتے ہیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ اگر آئندہ آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہماری جماعت ہر وقت آمادہ رہے گی اور

پاکستان کو جب کوئی خطرہ پیش آیا وہ سب سے بڑھ کر اس کے لیے قربانی کرے گی تو لازمی طور پر دوسرے مسلمان بھی ہماری جماعت کی نقل کرنے کی کوشش کریں گے۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ آگے بڑھنے کی کوشش کریں اور اِس طرح لوگوں کو بتائیں کہ ملک اور قوم کی خدمت کے معاملہ میں ہم جماعت احمدیہ کے افراد سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کو فائدہ پہنچ جائے گا۔ چاہے وہ ایسا طریق ہمارے بُغض کی وجہ سے اختیار کریں یا رشک کی وجہ سے کریں یا معاملہ کی خواہش کی وجہ سے کریں۔ بہرحال جتنے لوگ آگے آئیں گے اُتنا ہی یہ امر ملک کے لیے مفید اور بابرکت ہوگا۔ پس جماعت کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنی چاہییں۔ مگر ذمہ داریوں کا احساس آپ ہی آپ پیدا نہیں ہوجاتا۔ اِس کے لیے پہلے اپنی ذہنیت میں تغیر پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جب تک وہ ذہنیت پیدا نہ ہو اُس وقت تک لوگوں کا وجود نفع رساں نہیں ہوسکتا۔ اِس ذہنیت کو پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلی چیز جس کو مدنظر رکھنا ہر شخص کے لیے ضروری ہے وقت کی قیمت کا احساس ہے۔ ہمارے ملک میں لوگوں کو وقت ضائع کرنے کی عام عادت ہے۔ بازار میں جاتے ہوئے کوئی شخص مل جائے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر اُس سے گفتگو شروع کردیں گے اور پھر دو دو گھنٹے تک کرتے چلے جائیں گے۔

مَیں ایک دفعہ منالی گیا۔ ایک سکھ رئیس جو اِس قسم کی عادت رکھتے تھے ایک انگریز کے ساتھ پھر رہے تھے کہ مجھے دیکھ کر جھٹ میرے پاس آگئے اور کہنے لگے مرزا صاحب آپ کہاں؟ مَیں نے کہا تبدیلیٔ آب و ہوا کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اُن کے دادا اور ہمارے دادا مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے زمانہ میں اکٹھے جرنیل رہے تھے۔ اِس لیے وہ میرے پرانے واقف تھے۔ مَیں اُس وقت ابھی منالی میں اُترا ہی تھا اور مجھے مستورات کے آرام اور اُن کی رہائش وغیرہ کا انتظام کرنا تھا۔ قافلہ بھی ساتھ تھا اور ضرورت تھی کہ فوری طور پر ہمیں فارغ کیا جاتا۔ وہ خود بھی کہنے لگے اچھا مَیں کسی دوسرے وقت حاضر ہوں گا۔ مگر اس کے معاً بعد اُنہوں نے ایک سوال کردیا جس کا مجھے جواب دینا پڑا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسرا سوال کردیا۔ دوسرا سوال ختم ہوا تو تیسرا سوال کردیا۔ یہاں تک کہ ڈیڑھ دو گھنٹے صَرف ہوگئے۔ اُن کی گفتگو کو لمبا ہوتے دیکھ کر انگریز بھی چلا گیا اور قافلہ بھی میری آمد سے مایوس ہوگیا۔ مگر انہوں نے مجھے شام کے قریب چھوڑا۔ اور چھوڑا بھی یہ کہہ کر کہ اچھا پھر بات کریں گے۔

اِسی طرح ایک دفعہ مَیں کلّو کے ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ شام کے وقت مستورات کے

ساتھ باہر سیر کے لیے نکلا کہ خاکسار کے بنگلہ کے برآمدہ میں مجھے وہی سکھ رئیس مل گئے۔ مَیں نے مستورات سے کہا۔ اب تم جاؤ مجھے یہاں سے ہلنا نصیب نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا آپ کو کس طرح پتہ لگا؟ مَیں نے کہا مَیں اِس شخص کو جانتا ہوں مجھ میں طاقت ہی نہیں کہ اب ہل سکوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے آپ کہاں؟ مجھے آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا مگر اب غالباً آپ کو فرصت نہ ہو اِس لیے پھر ملوں گا لیکن اتنا کہہ کر وہ بیٹھ گئے اور رات کے گیارہ بجے تک باتیں کرتے چلے گئے۔ یہ مَیں نے ایک خاص مثال دی ہے اور گو اِس حد تک تو نہیں لیکن اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا ہندوستانی بھائی وقت کو ضائع کرنا کچھ بُرا نہیں سمجھتا۔

مَیں اِس کے لیے آپ لوگوں کو ایک موٹا طریق بتاتا ہوں۔ اگر آپ لوگ اِسے اختیار کر لیں تو یقیناً آپ سمجھ سکیں گے کہ آپ اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ غیر ضروری بلکہ لغو باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ طریق یہ ہے کہ چند دن آپ اپنے روزمرہ کے کام کی ڈائری لکھیں جس میں یہ ذکر ہو کہ مَیں فلاں وقت اٹھا۔ پہلے مَیں نے فلاں کام کیا۔ پھر فلاں کام کیا۔ دن کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں اور ہر حصہ کے ختم ہونے پر پانچ دس منٹ تک نوٹ کریں کہ آپ اس عرصہ میں کیا کرتے رہے ہیں۔ اِس طرح آٹھ دس دن مسلسل ڈائری لکھنے کے بعد دوبارہ اپنی ڈائری پر نظر ڈالیں اور نوٹ کریں کہ ان میں سے کون کون سے کام غیر ضروری تھے۔ اِس کے بعد آپ اندازہ لگائیں کہ روزانہ 24 گھنٹوں میں سے کتنا وقت آپ نے ضروری کاموں میں صَرف کیا اور کتنا غیر ضروری کاموں میں صَرف کیا۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ بہت جلد ہی اندازہ لگا سکیں گے کہ آپ کی بہت سی زندگی رائیگاں چلی جارہی ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں صرف آٹھ دس دن ایسا کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جن کاموں کو آپ بوجھ محسوس کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ گھنٹہ گھنٹہ بھر یہی کہتے چلے جاتے ہیں کہ مر گئے بہت بڑا بوجھ آپڑا ہے، ذرا بھی فُرصت نہیں ملتی۔ ان کاموں میں آپ بہت تھوڑا وقت صَرف کرتے ہیں اور اکثر حصہ لغو کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ پس ایک تو یہ تبدیلی اپنے اندر پیدا کرو کہ وقت ضائع کرنے سے بچو اور اسے زیادہ سے زیادہ قیمتی کاموں میں صَرف کرنے کی کوشش کرو۔

دوسری چیز جس کی مَیں جماعت کو نصیحت کرنی چاہتا ہوں بلکہ اصل میں تو یہ پہلی نصیحت ہونی چاہیے تھی وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے ہر فرد کو قرآن کریم پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہماری

ساری ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہو سکتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسی قطعی اور یقینی حقیقت ہے جس میں شبہ کی کوئی بھی گنجائش نہیں۔ آپ لوگ میرے مُرید ہیں اور مُرید کی نگاہ میں اپنے پیر کی ہر بات درست ہوتی ہے۔ بعض دفعہ اُس کی کوئی بات اُسے بُری بھی لگتی ہے تو وہ کہتا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ کیا اچھی بات کہی گئی ہے۔ پس آپ لوگوں کا سوال نہیں کہ آپ میرے متعلق کیا کہتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں غیروں کا میرے متعلق کیا تجربہ ہے۔ غیر احمدیوں کی کوئی مجلس ہو خواہ پروفیسروں کی ہو، خواہ سائنس کے ماہرین کی ہو، خواہ علم الاِقتصاد کے ماہرین کی ہو میرے ساتھ مختلف دنیوی علوم سے تعلق رکھنے والے افراد نے جب بھی بات کی ہے اُنہوں نے محسوس کیا ہے کہ میرے ساتھ گفتگو کر کے انہوں نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ فائدہ ہی اٹھایا ہے۔ کثرت کے ساتھ ہر طبقہ کے لوگ مجھ سے ملتے رہتے ہیں مگر ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے میری علمی برتری اور فوقیت کو تسلیم نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے ماہر فوجیوں کو بھی مَیں نے دیکھا ہے مجھ سے گفتگو کر کے وہ یہی محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یوں میری تعلیم کے متعلق جب وہ مجھ سے سوال کرتے ہیں مجھے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مَیں نے پرائمری بھی پاس نہیں کی۔ لیکن جب علمی رنگ میں گفتگو شروع ہو تو انہیں میری علمی فوقیت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ **آخر کیا وجہ ہے کہ ایک ایم۔اے، ایل ایل بی یا ایک پروفیسر یا ایک ڈاکٹر یا ایک فوج کا ماہر بعض دفعہ وہ کچھ بیان نہیں کر سکتا جو خدا تعالیٰ میری زبان سے بیان کروا دیتا ہے؟ اِس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اُن کے علم کا منبع زید اور بکر کی کتابیں ہیں لیکن میرے سارے علم کا منبع خدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔** یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ قرآن کریم کو دوسرے لوگوں کی عینک لگا کر پڑھتے ہیں اور چونکہ وہ اُس مفسّر یا اُس مفسّر کی عینک لگا کر قرآن کریم پڑھتے ہیں اِس لیے اُن کی نظر قرآنی معارف کی تہہ تک نہیں پہنچتی۔ وہ وہیں تک دیکھتے ہیں جہاں تک اُس مفسر نے دیکھنا ہوتا ہے۔ لیکن مجھے خدا تعالیٰ نے شروع سے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کے کلام کو کبھی انسان کی عینک سے نہیں دیکھا۔ جس دن سے مَیں نے قرآن کریم پڑھا ہے مَیں نے یہ سمجھ کر نہیں پڑھا کہ مجھے یہ قرآن رازی کی معرفت ملا ہے، یا علامہ ابوحیّان کی معرفت ملا یا ابن جریر کی معرفت ملا ہے۔ بلکہ مَیں نے یہ سمجھ کر اسے پڑھا ہے کہ مجھے یہ قرآن براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے بے شک واسطہ بنایا ہے لیکن مجھے اُس نے خود مخاطب کیا ہے۔ اور جب اُس نے مجھے

خود مخاطب کیا ہے تو معلوم ہوا کہ میرے سمجھنے کے لیے اُس نے تمام سامان اس میں رکھ دیا ہے۔ اگر سامان نہ ہوتا تو مجھے مخاطب ہی نہ کرتا۔ اِس رنگ میں قرآن کریم کو پڑھنے کی وجہ سے جو فائدہ مَیں نے اٹھایا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد اَور کسی نے نہیں اٹھایا۔ مَیں نے اپنے تصور میں خدا تعالیٰ کو اپنے سامنے بٹھا کر اُس سے قرآن کریم پڑھا ہے اور دوسرے لوگوں نے انسانوں سے قرآن کریم کو پڑھا ہے۔ اِسی لیے مجھے قرآن کریم سے وہ علوم عطا ہوئے ہیں جو دوسروں کو عطا نہیں ہوئے اور اِسی وجہ سے ہر علم والے پر اللہ تعالیٰ مجھے کامیابی دیتا چلا آیا ہے۔ اکثر دفعہ ایسا ہوا ہے فریقِ مخالف نے مجھ سے گفتگو کر کے تسلیم کیا ہے کہ وہی بات درست ہے جو مَیں پیش کر رہا ہوں۔ اور اگر کوئی ضدی بھی تھا تو بھی وہ میری بات کا انکار نہیں کر سکا۔

غرض قرآن کریم میں وہ علوم موجود ہیں جو دوسری کتب میں نہیں۔ پھر یہ کیسی بدقسمتی ہوگی کہ ہمارے گھر میں تو خزانہ پڑا ہو اور ہم دوسروں سے پیسہ پیسہ مانگ رہے ہوں، ہمارے گھر میں سونے کی کان پڑی ہو اور ہم دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کر رہے ہوں۔ قرآن کریم کی موجودگی میں دوسروں سے علم حاصل کرنے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے خزانہ رکھنے والا دوسروں سے ایک پیسہ مانگنے لگ جائے۔ پس قرآن کریم پڑھنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اِس کے لیے کسی لمبے غور اور فکر کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے ایسے علوم عطا فرمائے ہیں جن سے بہت آسانی کے ساتھ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ میری کتابیں پڑھیں ان سے بہت جلد وہ قرآنی علوم سے آگاہ ہو جائیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ اِس موقع پر کسی شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ابھی تو آپ نے کہا کہ مَیں نے رازی کی معرفت قرآن کریم نہیں پڑھا، مَیں نے ابوحیان اور ابن جریر کی عینک لگا کر قرآن کریم پر غور نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ کے کلام کو خدا تعالیٰ کے کلام کی عینک لگا کر پڑھا ہے اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ دوسروں کو میری کتابیں پڑھنی چاہییں۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اِس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ ابوحیان اور ابن جریر وغیرہ نے ایسی طرز پر قرآن کریم کی تفسیر کو لیا ہے کہ وہ زیادہ تر ظاہری علوم کی طرف چلے گئے ہیں مغز کی طرف نہیں گئے۔ لیکن میری تفسیر ایسی ہے جس میں صرف مغز کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اِس لیے ہمارے علوم کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی معرفت انسان کو جلد حاصل

ہوتی ہے۔خود ایک مسلمان عالم کا قول ہے کہ کُلُّ شَیْءٍ فِی تَفْسِیْرِ الرَّازِیْ اِلَّا تَفْسِیْر الْقُرْاٰنِ یعنی تفسیر رازی میں ہر قسم کے علوم پائے جاتے ہیں سوائے قرآن کریم کی تفسیر کے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ وہ کہیں صَرف کی طرف چلے گئے ہیں، کہیں نحو کی طرف چلے گئے ہیں، کہیں دوسرے ظاہری علوم کی طرف چلے گئے ہیں۔قرآن کریم کا جو اصل مغز تھا اُس کی طرف نہیں گئے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک حد تک صَرفی اور نحوی باتیں ہماری تفسیر میں بھی موجود ہیں مگر اُسی حد تک جس حد تک کسی آیت کی تفسیر کے لیے ضروری ہوتی ہیں ورنہ بیشتر حصہ ہماری تفسیر میں وہی ہوتا ہے جو مطلوب اور مقصود ہوتا ہے۔ ضمنی باتیں بہت کم ہوتی ہیں اور اگر اُن کا ذکر کرنا ہی پڑے تو اُسی قدر کیا جاتا ہے جس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔مثلاً ایک بچہ ہے اگر ہم اُسے اِتنا سکھا دیتے ہیں کہ ''ماں'' تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ماں کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور جب اُسے دودھ کی ضرورت محسوس ہوگی وہ اپنی والدہ کو ماں کہہ کر بُلا سکے گا۔ اِتنا حصہ تو بہرحال ضروری ہے۔لیکن اگر ہم یہ بحثیں شروع کر دیں کہ تمہاری ماں کس خاندان سے ہے اور اُس کا رشتہ تمہارے باپ سے کس طرح ہوا،لڑکی کے ماں باپ نے کس طرح مخالفت کی اور پھر بعد میں یہ کس طرح رشتہ دینے پر رضامند ہوئے، مہر کے کیا اصول ہیں، عائلی زندگی کو بہتر بنانے کے کیا طریق ہیں تو ہمارا اپنا وقت بھی ضائع ہوگا اور بچہ کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آئے گا۔خالی ''اماں'' کا لفظ سکھانا تو ضروری ہے۔اگر ہم اسے یہ لفظ نہیں سکھائیں گے تو وہ اپنی ماں کو بُلا نہیں سکے گا لیکن اَور تشریحات کی اُسے ضرورت نہیں ہوگی۔ اِسی طرح وہ دنیوی علوم جو قرآن کریم سمجھنے کے لیے اَقَلّ طور پر ضروری ہیں اُن کو ایک حد تک ہم بھی پیش کرتے ہیں لیکن اصل چیز جو ہماری تفسیر میں نظر آئے گی وہ یہی ہوگی کہ فلاں آیت کا پہلی آیت سے کیا جوڑ ہے؟ اس آیت کا پچھلی آیت سے کیا تعلق ہے؟ سارے رکوع کا آپس میں کیا جوڑ ہے؟ ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے کیا تعلق ہے؟ پھر کئی کئی سورتیں مل کر کیا مضمون پیدا کرتی ہیں؟ کونسے امتیازی نشانات قرآن کریم کو حاصل ہیں؟ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو کیوں نازل کیا اور اسے دوسرے مذاہب کی کتب کے مقابلہ میں کیا فوقیت حاصل ہے؟ یہ مضامین ایسے ہیں کہ جب انسان ان پر غور کرتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نور عطا ہوتا ہے جس سے دنیا کے تمام علوم کو سمجھنے کا ملکہ اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔مَیں یہ نہیں کہتا کہ قرآن کریم میں فلسفہ کی وہ تمام تشریحات موجود ہیں جو فلسفی بیان کرتے ہیں، مَیں یہ نہیں کہتا کہ قرآن کریم میں

سائیکالوجی کے وہ تمام اصول موجود ہیں جو علمُ النفس کے ماہرین پیش کرتے ہیں، مَیں یہ نہیں کہتا کہ قرآن کریم میں قانون کے وہ تمام اصول بیان ہیں جو علمِ قانون کے ماہرین نے بیان کیے ہیں۔ لیکن مَیں یہ ضرور کہتا ہوں کہ قرآن کریم نے عقلی طور پر ایسے اصول بیان کر دیئے ہیں کہ اگر اُن کو سمجھ لیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام علوم ہم نے پڑھے ہوئے ہیں۔ پس قرآن کریم کو پڑھو اور اس پر غور کرو۔ اِس کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لٹریچر بھی موجود ہے اور پھر میری تفسیر اور مضامین بھی ہیں اُن کو بار بار پڑھو اور اِس قدر قرآن کو اپنے اندر داخل کر لو کہ تمہارے سارے علوم قرآنی بن جائیں اور تم دنیوی علوم کے بھی اُستاد بن جاؤ۔

تیسری بات جس کی مَیں جماعت کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے افراد اپنے عمل میں درستی پیدا کریں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کے چھوڑنے میں کوئی بھی دقّت نہیں مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک اُنہی باتوں کو ہماری جماعت کے افراد نہیں چھوڑ سکے۔ مثلاً داڑھی رکھنا ہے مَیں دیکھتا ہوں ہماری جماعت میں ایسے کئی لوگ موجود ہیں جو داڑھی نہیں رکھتے حالانکہ اِس میں کونسی دِقّت ہے۔ آخر ان کے باپ دادا داڑھی رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو پھر اگر وہ بھی داڑھی رکھ لیں تو اِس میں کیا حرج ہے؟ پھر باپ دادا کو جانے دو۔ سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم داڑھی رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو آپ کی طرف منسوب ہونے والے افراد کیوں داڑھی نہیں رکھ سکتے۔ مجھ سے ایک دفعہ ایک نوجوان نے بحث شروع کر دی کہ داڑھی رکھنے میں فائدہ کیا ہے۔ وہ میرا عزیز تھا اور ہم کھانا کھا کر اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے اور چونکہ فراغت تھی اِس لیے بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ جب مَیں نے دیکھا کہ وہ کج بحثی کر رہا ہے تو مَیں نے اُسے کہا مَیں مان لیتا ہوں کہ داڑھی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ آخر تم مجھ سے یہی منوانا چاہتے ہو سو مَیں مان لیتا ہوں کہ داڑھی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اِس پر وہ خوش ہوا کہ آخر اُس کی بات تسلیم کر لی گئی ہے۔ مَیں نے کہا مَیں تسلیم کر لیتا ہوں کہ اِس میں کوئی بھی خوبی نہیں۔ مگر تم بھی ایک بات مان لو اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے۔ بے شک داڑھی رکھنے میں کوئی بھی خوبی نہ ہو مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ داڑھی رکھو۔[3] تم بے شک سمجھو کہ یہ چیز ہر رنگ میں مُضِر اور نقصان دہ ہے

مگر کیا بیسیوں مُضِر چیزیں ہم اپنے دوستوں کی خاطر اختیار نہیں کر لیا کرتے اول تو مجھے داڑھی رکھنے میں کوئی ضرر نظر نہیں آتا لیکن سمجھ لو کہ یہ مُضِر چیز ہے پھر بھی جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے ہیں کہ داڑھی رکھو تو ہماری خوبی آیا اِس میں ہے کہ ہم داڑھی نہ رکھیں یا اِس میں ہے کہ داڑھی رکھیں؟ آخر ایک شخص کو ہم نے اپنا آقا اور سردار تسلیم کیا ہوا ہے۔ جب ہمارا آقا اور سردار کہتا ہے کہ ایسا کرو تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس کے حکم کے پیچھے چلیں۔ خواہ اُس کے حکم کی ہمیں کوئی بھی حکمت نظر نہ آئے۔

صحابہؓ کو دیکھو اُن کے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا عشق تھا۔ داڑھی کے متعلق تو ہم دلیلیں دے سکتے ہیں اور داڑھی رکھنے کی معقولیت بھی ثابت کر سکتے ہیں لیکن صحابہؓ بعض دفعہ اِس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سُن کر اُس پر عمل کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتے کہ بظاہر اُس کی معقولیت کی کوئی دلیل اُن کے پاس نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرما رہے تھے کہ آپ نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اُس وقت گلی میں سے آ رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ اُن کے کانوں میں بھی پڑ گئے اور وہ وہیں گلی میں بیٹھ گئے اور بچوں کی طرح گِھسٹ گِھسٹ کر اُنہوں نے مسجد کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ایک دوست اُن کے پاس سے گزرے تو اُنہیں کہنے لگے عبداللہ بن مسعود! تم اتنے معقول آدمی ہو کر یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میرے کان میں آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ۔ اِس پر مَیں بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطاب آپ سے تو نہیں تھا۔ اُنہوں نے تو یہ بات اُن لوگوں سے کہی تھی جو مسجد میں آپؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔ بے شک آپؐ کا یہی مطلب ہوگا لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ اگر مَیں مسجد پہنچنے سے پہلے پہلے مر گیا تو ایک بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر عمل کے رہ جائے گی۔ اِس لیے مَیں گلی میں ہی بیٹھ گیا تا کہ آپ کے حکم پر عمل کرنے کا ثواب حاصل کر سکوں۔4

یہ ایمان ہے جو صحابہؓ کے اندر پایا جاتا تھا اور یہی ایمان ہے جو انسان کی نجات کا باعث بنتا ہے۔ ہمیشہ انسان کو یہ عادت اختیار کرنی چاہیے کہ یا تو وہ کسی بات کو مانے یا نہ مانے دوغلا پن سے کبھی جرأت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جرأت ہمیشہ یکجہتی سے پیدا ہوتی ہے یا تو ہمارے لیے ابھی یہ فیصلہ کرنا باقی ہے

کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ فیصلہ کرنا باقی ہے تو مَیں تمہیں کہوں گا ابھی ٹھہر جاؤ اور سوچو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا نہیں؟ مَیں اِس پر اعتراض نہیں کرتا۔ مَیں خود جبکہ ابھی بچہ تھا ایک دفعہ سوچنے لگا کہ آیا حضرت مرزا صاحب واقع میں سچے ہیں یا نہیں؟ اور مَیں نے فیصلہ کیا کہ اگر مجھ پر یہ ثابت ہو گیا کہ آپ سچے نہیں تو پھر مَیں اِس گھر میں داخل نہیں ہوں گا بلکہ کہیں باہر نکل جاؤں گا۔ حالانکہ اُس وقت میری عمر صرف گیارہ سال تھی۔ پس مَیں تمہارا حق بھی تسلیم کرتا ہوں۔ تم کہہ سکتے ہو کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا نہیں؟ تم کہہ سکتے ہو کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جو دعوٰی کیا ہے اُس میں وہ سچے ہیں یا نہیں؟ بلکہ تمہارا یہ بھی حق ہے کہ تم سوچو جس خلیفہ کے ہاتھ پر تم نے بیعت کی ہے یہ سچا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص بنی نوع انسان کو اِس فیصلہ کا اختیار دینے سے انکار کرتا ہے تو وہ دنیا میں منافقت پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ دنیا میں جہالت پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ دنیا میں بے ایمانی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ لوگوں کا یہ بھی حق ہے کہ وہ سوچیں کہ آیا کوئی خدا ہے یا نہیں؟ مگر جب فیصلہ ہو جائے کہ خدا ہے، جب فیصلہ ہو جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو پھر کسی کا کوئی حق نہیں رہتا کہ وہ کہے مَیں یُوں کروں گا کیونکہ میرے نزدیک یہ زیادہ مناسب ہے۔ اُسے وہی کچھ کرنا پڑے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ آپ لوگ بھی ایک دفعہ فیصلہ کریں کہ اِس دنیا کا کوئی خدا ہے یا نہیں؟ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں یا نہیں؟ اگر ثابت ہو جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو جس طرح بھیڑیں ایک دوسرے کے پیچھے کُودتی چلی جاتی ہیں تمہارا بھی فرض ہے کہ خواہ کوئی بات تمہیں بُری لگے یا اچھی، لوگ ہنسی اور ٹھٹھا کریں یا تعریف، تم وہی کچھ کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ مَیں کہتا ہوں داڑھی رکھنا تو کوئی چیز ہی نہیں۔ تم ہندو قوم کو دیکھو! ہولی میں وہ ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں اور ہر سال ایسا کرتے ہیں۔ بھلا اِس میں کونسی معقولیت پائی جاتی ہے؟ مگر بڑے بھی اور چھوٹے بھی سب کے سب اس میں حصہ لیتے ہیں یہاں تک کہ اب کی دفعہ تو وائسرائے کے گھر بھی جا پہنچے۔ یہ کتنی لغو حرکت ہے جو ہندو قوم کرتی ہے۔ مگر وہ قوم اس کی پروا نہیں کرتی اور اِس لیے پروا نہیں کرتی بلکہ کہتی ہے یہ ہمارے مذہب کا حکم ہے۔ حالانکہ اُن کا مذہب کیا ہے؟ نہ دینیات کے متعلق اُس میں کوئی تعلیم ہے نہ خواہشات کے متعلق اُس میں کوئی تعلیم ہے، نہ اقتصادیات کے متعلق اُس میں کوئی تعلیم ہے نہ

سیاسیات کے متعلق اُس میں کوئی تعلیم ہے۔ مگر باوجود اِس کے کہ وہ صرف رسم ورواج کا مجموعہ ہے پھر بھی وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ لوگ دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں۔ کہیں کوئی قمیص پر رنگ پڑا ہوا ہوتا ہے کہیں پاجامے پر رنگ پڑا ہوا ہوتا ہے، کہیں بُوٹ پر رنگ پڑا ہوا ہوتا ہے۔ مگر وہ ذرا بھی پروا نہیں کرتے اور اپنے مذہب کے حکم پر عمل کرتے چلے جاتے ہیں۔

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ لوگ تو اپنی لغویات پر جس میں کوئی بھی معقولیت نہیں، جس میں کوئی بھی نفع نہیں عمل کرتے چلے جاتے ہیں اور ہم لوگ اُس حکم پر عمل کرنے کے تیار نہیں ہوتے جس میں نفع ہی نفع ہے اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔ داڑھی میں اگر اَور نہیں تو کم از کم قومی شعار تو ہے۔ مگر یہ قومی شعار بھی اختیار نہیں کیا جاتا اور اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہوئے اِس کی بدنامی کا باعث بنا جاتا ہے۔ اِنہی چیزوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان ہمیشہ ذلّت کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ اب تو انگریز چلا گیا مگر جب وہ تھا اُس وقت بھی فوج میں وہ سکھ کو داڑھی رکھنے دیتا تھا مگر مسلمان کو نہیں۔ اور اِس کی وجہ یہی تھی کہ سکھوں میں سے ہر ایک داڑھی رکھتا تھا مگر مسلمانوں میں ہر ایک داڑھی نہیں رکھتا تھا۔ اِس وجہ سے اگر کوئی مسلمان فوج میں داڑھی رکھتا تو اُسے سزا دی جاتی تھی۔ گویا ایک شخص جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا چاہتا تھا اُسے مسلمان اپنے بدعمل کی وجہ سے انگریز کے ہاتھوں سے سزا دِلواتے تھے کہ کیوں اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اور کیوں ہماری طرح اُس نے داڑھی منڈوا کر نہیں رکھی۔ یہ کتنا بڑا فرق ہے جو سکھوں اور مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ مَیں اس قوم کو وحشی بھی کہتا ہوں، مَیں اس قوم کو جوشیلا بھی کہتا ہوں مگر مَیں کہتا ہوں ان میں ایک چیز ایسی ہے جو مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اور وہ یہ کہ انگریز آئے اور چلے بھی گئے مگر سکھ اپنے گوروؤں کی رکھوائی ہوئی داڑھی کو انگریز کے ہاتھوں سے سلامت لے گئے۔ سکھ گوروؤں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا ہے۔ مگر ایک سکھ جس طرح فخر سے اپنی گردن اونچی کر سکتا ہے مسلمان اپنی گردن اونچی نہیں کر سکتا۔ انگریز آئے تو مسلمان بھی اُسی طرح داڑھی رکھتے تھے جس طرح سکھ داڑھی رکھتے تھے مگر جب سَو سال کے بعد انگریز چلے گئے تو سکھ اپنے گوروؤں کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی داڑھیوں کو بچا کر لے گئے مگر مسلمان اپنی داڑھیوں کو نہ بچا سکے۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ ہزاروں اسلامی شعار ایسے ہیں جو ایک ایک کر کے مسلمانوں نے چھوڑ رکھے ہیں۔

کراچی میں مجھ سے قسم قسم کے لوگ ملنے کے لیے آتے رہے ہیں۔ آج ہی ایک آئی سی ایس افسر مجھ سے ملنے کے لیے آئے تو انہوں نے بتایا کہ مَیں فلاں مجلس میں شریک ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ مسلمان کثرت سے شراب پی رہے ہیں حالانکہ اب تو انگریز جا چکا ہے اور مسلمانوں کی اپنی آزاد حکومت قائم ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک شعائرِ اسلامی کی پابندی نہیں کی جائے گی اُس وقت تک اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکے گی۔ وہ شخص جو آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہے اُس کا کیا حق ہے کہ وہ دشمن سے یہ کہے کہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کر۔ جو آپ کسی بزرگ کا ادب کرتا ہے وہ تو دوسرے سے کہہ سکتا ہے کہ تُو بھی فلاں بزرگ کا ادب کر۔ لیکن جو آپ ادب نہیں کرتا وہ دوسرے کو کس منہ سے کہہ سکتا ہے کہ وہ اُس کا ادب اور احترام کرے۔ چونکہ مسلمان خود عمل کرنے میں ہمیشہ غفلت سے کام لیتا ہے اِس لیے اور لوگ بھی اُس کی اِس کمزوری کو خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کو زبردستی شراب پلانے کے واقعات مل جائیں گے مگر سکھوں کو زبردستی گائے کھلانے کے واقعات نظر نہیں آئیں گے کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ مسلمان اِس زبردستی پر بُرا نہیں منائے گا۔

پس تیسری بات جس کی طرف مَیں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم ہر قسم کے اسلامی احکام کو قائم کرو اور ایسا نمونہ پیش کرو جو لوگوں کو خود بخود عمل کی تحریک کرنے والا ہو۔ شیعہ ہو، سنّی ہو، کوئی ہو ہر ایک کے پاس جاؤ اور اُسے منت سے، سماجت سے، ادب سے، محبت سے کہو اور بار بار کہو کہ یہ اسلامی حکم ہے میرا نہیں۔ آپ کو اگر حضرت مرزا صاحب سے مخالفت ہے تو کیجیے مخالفت۔ اگر احمدیت کو آپ جھوٹا سمجھتے ہیں تو کہیے جھوٹا۔ مگر یہ حکم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے میرا یا کسی اَور کا نہیں۔ اِس لیے اس حکم پر عمل خود آپ کے لیے بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کسی اَور کے لیے۔

مَیں نے گزشتہ ایام میں جہلم میں ایک تقریر کی جس میں مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اُنہوں نے جو پاکستان مانگا تھا تو اِس لیے مانگا تھا کہ وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کو آزادانہ طور پر قائم کرسکیں۔ اب جبکہ پاکستان قائم ہو چکا ہے کم از کم پانچ وقت کی نماز ہی مسلمان مسجد میں آکر ادا کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ پانچوں وقت نماز بھی نہیں پڑھتے تو پاکستان مانگ کر اُنہوں نے کیا لیا؟ اِس پر ایک شخص نے پریذیڈنٹ کو رقعہ لکھا کہ مَیں والنٹیئرز کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بعد میں مجھے موقع دیا جائے۔

چنانچہ بعد میں اُسے بولنے کا موقع دیا گیا۔ اتفاق سے پریذیڈنٹ ایک ایسے دوست تھے جو احمدیت کے مخالف رہے ہیں۔ وہ شخص کھڑا ہوا اور اُس نے کہا مرزا صاحب نے باتیں تو بڑی اچھی کہی ہیں لیکن ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور اور دکھانے کے اَور ہوتے ہیں۔ اگر نماز کا اِنہیں اِتنا ہی احساس ہے تو اب ہماری نماز ہونے والی ہے مرزا صاحب چلیں اور ہمارے پیچھے نماز پڑھ کر دکھا دیں۔ غرض ایک لمبی تقریر اُس نے صرف اِسی بات پر کی۔ اُس وقت میرے دل میں بدظنی پیدا ہوئی کہ شاید پریذیڈنٹ کی مرضی اور ایماء سے یہ تقریر ہو رہی ہے۔ بعد میں پریذیڈنٹ صاحب کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے کہا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مجھے تو رُقعہ میں یہ دکھایا گیا تھا کہ مَیں والنٹیئروں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر تقریر کسی اَور بات پر شروع کر دی گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تقریر کرنے والے صاحب کا منشاء کیا ہے۔ امام جماعت احمدیہ نے اپنی تقریر میں یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کو نماز پڑھنی چاہیے۔ نماز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ اور مسجدیں بھی ہماری اپنی ہیں۔ انہوں نے صرف توجہ دلائی ہے کہ تم اپنے رسول کی بات مانو اور مسجدوں میں نمازیں پڑھا کرو۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اُن کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اگر تو اُنہوں نے یہ کہا ہوتا کہ مسلمانوں کو میرے پیچھے نمازیں پڑھنی چاہییں تب بھی کوئی بات تھی۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ آپ ہمارے پیچھے پڑھیں۔ یا اگر کہتے کہ مسلمانوں کو احمدیوں کے پیچھے نمازیں پڑھنی چاہییں تب بھی یہ بات ان کے منہ پر سج سکتی تھی کہ اگر ہمیں احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ بھی ہمارے پیچھے پڑھیں۔ لیکن اُنہوں نے تو ہمارے آقا کی ایک بات ہمیں یاد دلائی ہے۔ کیا ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اپنے آقا کی بات پر عمل کریں یا یہ کام ہے کہ ہم کہیں جب تک تم ہمارے پیچھے نماز نہ پڑھو ہم اپنے آقا کے حکم پر بھی عمل کرنے کے لیے تیار نہیں؟ غرض اُنہوں نے اُسے خوب رگیدا اور لتاڑا۔

یہی طریق ہے جو اسلامی احکام کو قائم کرنے کے لیے تمہیں اختیار کرنا چاہیے۔ تم مسلمانوں سے کہو کہ ہمیں بے شک گالیاں دیجیے، ہمیں بُرا بھلا کہیے۔ مگر یہ حکم ہمارا نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اِس لیے ہماری خاطر نہیں بلکہ اپنے آقا اور اپنے مطاع کی خاطر اِس حکم پر عمل کریں۔ مگر ہم دوسروں کو کب ایسی نصیحت کر سکتے ہیں جب خود ہمارے اندر ایسے نوجوان موجود ہوں جو احکامِ اسلامی کے پوری طرح پابند نہ ہوں۔ ہم دوسروں سے کہیں گے تو وہ فوراً ہمیں جواب میں کہیں گے کہ پہلے

اپنے گھر کی خبر لو۔ جب فلاں فلاں اشخاص خود تم میں ایسے موجود ہیں جو اسلامی احکام کے پابند نہیں۔ پس پہلے اِس نقص کی اصلاح اپنے گھر سے شروع کرو اور پھر ہر مجلس میں لوگوں کو اِس طرف توجہ دلاؤ۔ بے شک وہ تمہیں پاگل کہیں، تمہیں دیوانہ قرار دیں، تمہیں جاہل اور احمق سمجھیں۔ تم اُن کے پاگل اور دیوانہ اور احمق کہنے پر گھبراؤ نہیں بلکہ اگر تم اپنی نصیحت میں مشغول رہے تو یقیناً اُن کا تمہیں پاگل اور دیوانہ کہنا لوگوں کے قلوب میں تمہاری عظمت پیدا کر دے گا اور آخر ایک دن وہ ضرور اسلامی احکام کی اتباع کی طرف رجوع کریں گے۔ اور جب وہ اسلام کی طرف رجوع کریں گے تو یہ یقینی امر ہے کہ وہ احمدیت کو بھی قبول کرلیں گے۔ جس طرح رات کے وقت سورج کا ہونا ناممکن ہے، جس طرح دوپہر کے وقت تاریک رات کا ہونا ناممکن ہے اِسی طرح یہ ناممکن امر ہے کہ کسی شخص کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت پیدا ہو جائے اور مرزا صاحب کی محبت پیدا نہ ہو۔ یہ ناممکن امر ہے کہ ایک شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کرے اور مرزا صاحب کی اتباع نہ کرے۔ ایک نے دوسرے کی روشنی کو اِس طرح کھولا ہے، ایک نے دوسرے کے نور کو اِس طرح کھولا ہے، ایک نے دوسرے کے معارف کو اِس طرح کھولا ہے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرے اور مرزا صاحب سے محبت نہ کرے۔ جب وہ اسلام کو سمجھ جائیں گے تو یقیناً احمدیت کی طرف بھی توجہ کریں گے اور جب وہ احمدیت کی طرف توجہ کریں گے تب مسلمان ایک ہاتھ پر جمع ہوں گے اور تب مسلمان دنیا کے تمام کناروں تک غالب آجائیں گے۔ مگر عمل اور پھر عمل اور پھر عمل۔ اور اِس سے پہلے ایمان اور ایمان اور پھر ایمان کی ضرورت ہے"۔

(الفضل 14/ اپریل 1948ء)

1: موسوعة امثال العرب جزء رابع زیر حرف "ص" میں "الصبیّ صبیًّا ولَقِیَ النَّبِیَّ" کے الفاظ ہیں۔

2: الاحقاف:16

3: بخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللّحی

4: ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ باب الامامُ یُکَلِّمُ الرَّجُلَ فی خطبتہٖ (مفہوماً)